قرآن کریم کی دس صفات حسنہ جن سے اس کی عظمت وشان اس کے فوائد اور اس کی روحانی تاثیروں کا اظہار ہوتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍جولائی ۱۹۶۶ء بمقام گھوڑا گلی۔ مری)

❁❁❁

☆ قرآن کریم اور اس کی دس صفات۔

☆ قانونِ قدرت اور ’’سنت اللہ‘‘۔

☆ بنیادی اور حقیقی اور اصولی قوانین قرآن کریم میں بیان ہو گئے ہیں۔

☆ انسانی ایرادنے پُرانی شریعتوں کو خطرناک اور مہلک بنا دیا ہے۔

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری کتب قرآن کریم کی تفسیر ہی ہیں۔

☆ ہم قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں۔

تشہد تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ حٰمٓ السَّجدہ کی ان پہلی تین آیات کی تلاوت فرمائی۔

حٰمٓo تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَo (حٰمٓ السَّجدہ: ۲ تا ۵)

پھر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم ہی میں اس کلام مجید کی عظمت اور اس کی شان اور اس کے فوائد اور اس کی روحانی تاثیروں کو مختلف پیرایوں میں بڑے زور کے ساتھ، بڑی وضاحت کے ساتھ، بڑی فصاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ان مختصر سی تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس صفات حسنہ بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ پہلی صفت اس کتاب، اس قرآن کی یہ ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ خدا کی طرف سے اسے نازل کیا گیا ہے اور رحمٰن خدا کی رضا جن راہوں سے ملتی ہے۔ ان کا اس میں ذکر ہے۔ رَحمٰن اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے کہ جو بغیر استحقاق کے بھی اپنے بندوں کو اپنی رحمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک تو یہ ارشاد فرمایا کہ ابھی انسان دنیا میں پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا۔ کوئی عمل بنی نوع انسان کی طرف سے ابھی شروع بھی نہ ہوا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں قرآن کریم جیسی کامل اور مکمل کتاب موجود تھی جس نے بنی نوع انسان کو روحانی رفعتوں تک پہنچانا تھا۔

دوسرے تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ کے یہ معنی ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ایسی ہدایات، ایسے ذکر، خدا تعالیٰ کی حمد کے ایسے طریق بتائے گئے ہیں کہ اگر انسان ان پر کاربند ہو تو وہ رحمٰن خدا کو خوش کرنے والا ہوگا اور عمل محدود ہونے کے باوجود غیر محدود جزا کا اور ثواب کا مستحق ٹھہرایا جائیگا۔

ہندو مذہب کی موجودہ بگڑی ہوئی شکل میں اللہ تعالیٰ کو نہ رحمٰن مانا جاتا ہے نہ رحمٰن سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اس مختصر زندگی میں جو اعمال بجالاتا ہے اس کا بدلہ بھی رحیم خدا ہی دیتا ہے۔ رحمٰن خدا کا ان کے مذہب میں تصور ہی نہیں چونکہ یہ اعمال محدود ہوتے ہیں ان کا بدلہ اور ان کی جزاء بھی محدود ہوتی ہے اور جب محدود اعمال کا محدود بدلہ انسان کو مل جاتا ہے تو پھر وہ ایک نئی ''جون'' میں اس دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا ہے کہ اگر اور انعام حاصل کرنے ہیں تو پھر دنیا میں جا کر اور عمل کرو پھر تمہیں اور انعام ملے گا۔

لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن کریم کو نازل کرنے والی پاک اور قادر و توانا ہستی وہ ہے جو رحمانیت کی صفت سے متصف ہے اور قرآن کریم میں وہ ہدایتیں، وہ احکام، وہ فرائض، وہ دعائیں، اللہ تعالیٰ کی حمد کے وہ طریقے بتائے گئے ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو رحمٰن خدا خوش ہوگا اور تمہارے محدود اعمال کا غیر محدود بدلا تمہیں دے گا۔

(۲) دوسری صفت قرآن کریم کی ان آیات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحِيْمِ ہے اس قادر و توانا ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی صفات حسنہ میں سے ایک صفت رحیمیت کی ہے۔ یہ بتا کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا گیا اور ہمیں امید دلائی گئی کہ ہم جو اعمال بھی اس کی خوشنودی کے لئے بجالائیں گے۔ ہم جو قربانیاں اس کی رضا کی خاطر کریں گے۔ ہم جو ایثار کے نمونے محض اور محض اس کے لئے دنیا کے سامنے پیش کریں گے وہ قادر ہستی اس بات پر قادر ہے کہ ہمارے ان اعمال کا بدلہ دے اور جزاء دے۔

بہت دفعہ اس دنیا میں انسان انسانوں کی اس رنگ میں خدمت کرتا یا خوشامد کرتا ہے کہ جتنا بدلہ اس خوشامد اور اس خدمت کا خوشامد کرنے والے اور خدمت کرنے والے کو ملنا چاہئے۔ وہ بدلہ وہ شخص دے ہی نہیں سکتا اور نہ اس کی طاقت میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کا بدلہ دے اور جو مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں ان کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔ مثلاً ہم سے بھی بہت زیادہ قربانیاں دینے والی اس وقت دنیا میں عیسائی قوم ہے۔ وہ عیسیٰ یسوع مسیح جن کو انہوں نے خدا بنا دیا ہے۔ ان کی خاطر عیسائی جانی قربانی بھی دے رہے ہیں اور مالی قربانی بھی دے رہے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی، ان کے مرد بھی انتہائی قسم کی قربانیاں اپنے باطل مذہب اور شرک کی خاطر وہ اس وقت

دے رہے ہیں اور اپنے اس معبود کی خدمت میں جو دراصل مردہ ہے زندہ نہیں، ایثار کے ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں کہ آدمی کو بعض دفعہ ان پر رشک آتا ہے۔ افریقہ کے جنگلوں میں جا کر، اربوں ڈالر خرچ کر کے، اتنے پیسے ہونے کے باوجود بھی ہر قسم کی جذباتی اور جسمانی تکلیف گوارا کر کے وہ لوگوں میں عیسائیت پھیلانے میں کوشاں ہیں لیکن جس کے لئے وہ یہ کوششیں کر رہے ہیں اور قربانیاں دے رہے ہیں اور اموال خرچ کر رہے ہیں اس میں یہ طاقت نہیں کہ ان لوگوں کو ان قربانیوں کا بدلہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کے لئے ایثار اور قربانی نہیں مانگ رہے جس میں بدلہ دینے کی طاقت ہی نہ ہو بلکہ قرآن کریم کی ہدایات کے مطابق تم جو تکالیف بھی برداشت کرو۔ جو مجاہدات بھی بجالاؤ۔ جو قربانیاں بھی دو وہ اس خدائے رحیم کے لئے ہوں گی کہ جس کی طاقت میں ہے کہ جتنا تم کرو اس سے زیادہ تمہیں بدلہ میں دے کیونکہ رحیمیت کے ساتھ اس بات کا بھی تعلق ہے کہ وہ نیک اعمال کو بڑھاتا ہے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (اٰل عمران:۱۳۱) کر دیتا ہے۔ ایک بیج کی طرح جس طرح بیج مٹی میں ڈالا جاتا ہے اور وہ بڑھتا ہے۔ پھولتا ہے۔ اور پھلتا ہے اور ایک دانہ سے سَو، پانچ سَو، سات سَو تک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحیمیت کے ماتحت ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ انسان کے اعمال کو بطور بیج کے ایک ایسی جگہ میں رکھتا ہے جہاں وہ اعمال بھی بڑھتے، پھولتے اور پھلتے ہیں اور اُخروی زندگی میں کئی گنا زیادہ ہمیں اپنے اعمال کا بدلہ مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ چونکہ یہ خدائے رحیم کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ تم جو بھی اعمال قرآن کریم کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق بجالاؤ گے وہ ضائع نہیں جائیں گے۔ تمہیں ان کا اجر ملے گا اور بڑا ہی اچھا اجر ملے گا۔

(۳) تیسری صفت اس کی یہ بیان فرمائی ہے کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے احکام اور جس کی ہدایتیں مختصر اور مجمل طور پر بیان نہیں کی گئیں۔ جتنا کسی چیز میں اجمال کو مدنظر رکھا جائے اتنا ہی اس کے سمجھنے کے لئے زیادہ فراست، زیادہ بیدار مغزی اور زیادہ ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی الہامی کتاب بہت ہی مختصر ہو تو بہت سے لوگ اپنے ربّ کے حضور یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ اے خدا! تیرا ہدایت نامہ تو آیا مگر وہ اس قدر اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا تھا کہ ہم اپنی ناقص سمجھ کے مطابق اس کی حقیقت کو پہنچ نہیں سکتے تھے اس لئے ہم اس کے فیض سے محروم رہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرماتا ہے کہ اس کتاب میں جو احکام بھی بیان کئے گئے ہیں ان کو اچھی طرح کھول کر اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ تفصیل سے اور کھول کر بیان کرنے کے اللہ تعالیٰ نے دو طریق اُمت محمدیہ میں جاری کئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خود قرآن کریم کے الفاظ بڑے تفصیلی مضامین کے حامل ہیں۔

دوسرے یہ کہ پھر بھی کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ ہم میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ قرآن کریم کے عربی الفاظ کی تحقیق کرتے اور ہمیں ان کے مطالب کی تفاصیل پر اطلاع ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ سلسلہ جاری کیا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے ظل اس اُمت میں پیدا کئے جو اپنے اپنے وقت میں وقت کی ضرورت کے مطابق قرآن کریم کے مطالب اپنے رب سے حاصل کرتے رہے اور خوب کھول کر قرآن کریم کو بیان کرتے رہے۔ خود نبی کریم ﷺ کے وہ لاکھوں اقوال جو کتب احادیث میں جمع کئے گئے ہیں وہ حقیقتاً قرآن کریم کی تفسیر ہیں۔ عام طور پر وہ لوگ جو علم کے لحاظ سے اور تقویٰ اور طہارت کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر نہیں ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کونسا قول قرآن کریم کی کس آیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کون سی حدیث کس آیت یا آیت کے کس ٹکڑے کی تفسیر ہے۔ اس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت سے اشارہ فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے منہ سے جو باتیں بھی نکلی ہیں وہ حقیقتاً قرآن کریم کی ہی تفسیر ہیں۔

قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت سے ان باتوں کا تعلق ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے ماننے والوں میں، آپؐ سے پیار کرنے والوں میں، آپؐ سے محبت کرنے والوں میں، آپؐ کی اتباع کرنے والوں میں، آپؐ پر جانیں قربان کرنے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو آپؐ کی محبت میں اور آپؐ کے وجود میں ایک حد تک یا بہت حد تک فنا ہوئے۔ اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق انہوں نے قرآنی علوم کو حاصل کیا اور دنیا میں پھیلایا۔

تو کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جن کو وہ خود قرآنی علوم سکھائے گا اور وہ لوگ قرآنی آیات کی تفاصیل بنی نوع انسان میں پھیلائیں گے اور ان تک پہنچائیں گے۔

ہر دو لحاظ سے قرآن کریم کی بڑی عظمت اور بڑی شان ہے۔ یعنی اس معنی کے لحاظ سے بھی کہ

اختصارِ الفاظ کے باوجود تفصیل کافی حد تک، تسلی بخش حد تک قرآن کریم میں پائی جاتی ہے۔ اس قسم کا اجمال نہیں کہ انسان اپنے علم اور اپنی ضرورت کے مطابق جو اس سے حاصل کرنا چاہئے، حاصل نہ کر سکے۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بھی کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے یعنی اس اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن کریم کی آیات کے معانی کھول کھول کر دنیا کو سنانے والے ہوں گے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قرآن کریم کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے ویسا ہی عملاً وقوع میں آیا ہے۔

(۴) چوتھی صفت قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قُرانًا ہے۔ ''قرآن'' کے معنی ہیں ایسی آسمانی کتاب جس میں پہلی کتب سماویہ کے بنیادی اصول اور ہدایتیں جمع ہوں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ جس میں تمام علوم کے اصول بیان ہو گئے ہوں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جا سکتا صرف ایک دنیوی اصول جو دنیا کے علوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ بتا دیتا ہوں۔ قرآن کریم نے بڑے دھڑلے اور بڑے زور کے ساتھ اسے بیان کیا ہے وہ یہ کہ دنیا کا یہ مادی کارخانہ اللہ تعالیٰ نے ایک قانون کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔

یہ ایک بنیادی اصل ہے جس کا ہر دنیوی علم کے ساتھ تعلق ہے چنانچہ ہمارے علوم نے جتنی بھی ترقی کی ہے خصوصاً اب غیر مسلم مغربی اقوام نے اور بعد میں کچھ مشرقی اقوام نے دنیوی اور مادی علوم میں جو ترقی کی ہے ان کے ہر علم کی بنیاد اسی اصل کے اوپر ہے۔ اور یہ اصل انہوں نے دراصل مسلمان سائنٹسٹس (SCIENTISTS) اور مسلمان علماء سے لیا ہے۔ ''ڈارک ایجز'' (DARKAGES) جو کہلاتی ہیں یعنی وہ زمانہ جس میں عیسائی ملک اور غیر مسلم اقوام نہایت پستی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں۔ مسلمان علماء اور سائنٹسٹ (SCIENTIST) ان ملکوں میں پہنچے اور ان لوگوں کو انہوں نے علم بھی سکھایا اور ساتھ ہی یہ بنیادی اصل بھی سکھایا کہ دنیا کا ہر علم تبھی علم کہلا سکتا ہے یعنی اسے نظام میں باندھا جا سکتا ہے جب اس اصل کو تسلیم کیا جائے جو قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کوئی چیز بھی قانون سے باہر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے جسے قانون قدرت کہتے ہیں (جب ہم اسے قانون قدرت کہتے ہیں تو یہ ایک ناقص اصطلاح ہے۔ جب ہم اسے سُنَّۃُ اللّٰہِ کہتے ہیں تو یہ ایک کامل اصطلاح ہے) قرآن کریم نے اس کو ''اللہ کی سنت'' یا ''سنت اللہ'' کی کامل اصطلاح سے بیان کیا ہے کہ تم اللہ کی سنت میں کوئی

تبدیلی نہیں پاتے۔ جب میں نے یہ کہا کہ ’’قانون قدرت‘‘ ناقص اصطلاح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنس کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جس بات کو ایک سائنسدان نے قانون قدرت سمجھا اور کہا، کچھ عرصہ کے بعد مزید تحقیق اور تجسس کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ دراصل وہ قانون قدرت نہیں تھا بلکہ قانون قدرت اور ہی تھا جس کو وہ غلط سمجھ رہے تھے اور اس دوسرے قانونِ قدرت کے ماتحت یہ واقعات رونما ہوئے تھے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی سی مثال ہے مگر ہے بڑی واضح اور وہ یہ کہ آگ جلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا ہے کہ تو جلا۔ یہ سنت اللہ ہے اور چونکہ وہ (آگ) الٰہی سنت کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی اس قوت اور طاقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ آگ میرے حکم سے ہی جلاتی ہے اس کو جلانے سے روک بھی دیتا ہے جیسے کہ ابراہیمؑ کے واقعہ میں خدا تعالیٰ نے فرمایا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیاء:۷۰) تیرا نار رہنا میرے حکم سے تھا۔ اب میرا حکم ہے کہ بَرْدًا وَّسَلٰمًا بن جاؤ۔ تو ایسے واقعات یہی ثابت کرنے کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں تا ہمیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ جس کے حکم سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔

حکم اور سنت اس کی یہی ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ انسان نے اس اصل اور اس حکم کے نتیجہ میں سینکڑوں ہزاروں فائدے حاصل کئے ہیں۔ اگر یہ ہوتا کہ کبھی آگ جلاتی اور کبھی ٹھنڈا کرتی تو یہ بھی ہوتا کہ جس گاڑی پر بھاپ سے چلنے والا انجن لگا ہوتا کبھی تو وہ گاڑی لاہور سے کراچی پہنچ جاتی اور کبھی ملتان سے لاہور یہ اطلاع آتی کہ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ وہ آگ جو جلاتی اور گرم کرتی تھی اب اس نے ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور جو پانی بوائلر میں ڈالا گیا تھا وہ برف بن گیا ہے۔ گرمی کے دن تھے اس لئے برف کو ہم نے غریبوں میں تقسیم تو کر دیا ہے لیکن گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ کیونکہ آگ نے اپنا عمل چھوڑ دیا ہے۔

لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کے لئے ایک مصیبت پیدا ہو جاتی۔ کوئی چیز بھی ہم بنا نہ سکتے۔ کبھی بجلی روشنی کرتی اور کبھی بجائے روشنی کے اندھیرا کر دیتی پس اگر یہ ہوتا تو انسان کے لئے زندگی گزارنا مصیبت بن جاتا۔

تو قانونِ قدرت کے مطابق یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اور یہ ایسے بنیادی اور حقیقی اور اصولی

قوانین ہیں جو کسی نہ کسی پیرائے میں قرآن کریم میں بیان ہو گئے ہیں۔کوئی مثال دیتے ہوئے، کسی چیز کی وضاحت کرتے ہوئے کبھی اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے، کبھی اپنی صفات کے بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ یہ اصول بھی بیان کر جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر چوتھی صفت یہ پائی جاتی ہے کہ یہ قرآن ہے کہ اس میں تمام پہلی کتب سماویہ کے بنیادی اصول بھی ہیں اور تمام علومِ مادی کے بنیادی اصول بھی اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں اس لئے دین اور دنیا کی اگر تم ترقی چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اس قرآن کی جو قرآن ہے ہر لحاظ سے پیروی کرنے والے اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے بنو۔

(۵) پھر اللہ تعالیٰ نے پانچویں صفت اس کتاب مجید کی یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قرآن ہی نہیں عربی ہے۔عَرَبِّی کے معنی ایک ایسی کتاب کے ہیں جو حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے والی ہو۔ اس کے ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب جو منسوخ کرنے والی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو قرآن ہے۔یعنی پہلی تمام کتب سماویہ کی بنیادی حقیقتیں اس کے اندر جمع ہیں۔دراصل پہلی کتب سماویہ کی تمام بنیادی حقیقتیں قرآن کریم کا ہی حصہ ہیں۔اور پہلے لوگوں کو وقتی ضرورت کے مطابق قرآن کریم کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ بعض صداقتیں پہلی کتب میں ایسی تھیں جو پورے طور پر اس قرآن میں بیان کی جاسکتی تھیں یعنی قرآن کریم کا ہی ایک حصہ پہلی اُمتوں کو دیا گیا تھا مگر کچھ زائد صداقتیں تھیں جو اس قرآن کا حصہ تھیں مگر پہلے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے اس لئے وہ ان کو نہیں ملیں۔پس قرآن کامل اور مکمل شکل میں اُمت مسلمہ کو عطا ہوا۔لیکن اس جزوی شکل میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔پس یہ قرآن ہر پہلی کتاب کو منسوخ کرنے والا ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے جیسا کہ بعض دفعہ بعض عیسائی یا بعض ہندو کہا کرتے ہیں کہ ہم بھی خدا کی عبادت کرتے ہیں تم بھی خدا کی عبادت کرتے ہو، تم اپنی عبادات کرتے جاؤ ہم اپنی عبادت کرتے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے جو راہیں مجھ تک پہنچنے کے لئے بنی نوع انسان کے سامنے رکھی گئی تھیں وہ اب سب منسوخ ہوگئیں۔ اب مجھ تک پہنچنے کا راستہ قرآن کریم کا راستہ ہی ہے۔ اس کی ایک موٹی مثال یہ ہے۔ پہاڑ پر سفر کرتے ہوئے کئی جگہ آپ کو نظر آئے گا کہ بعض جگہ پہلے سڑک ہوتی تھی۔ بارشیں ہوئیں یا پہاڑ گرے یا مرورِ زمانہ کے نتیجہ میں، وہ میٹلڈ روڈ (Metalled Road) جو تھی وہ بالکل اُکھڑ پکھڑ گئی اور نا قابل استعمال ہوگئی یا پل گر گیا اور وہ پل دوبارہ بنایا نہیں گیا۔ لیکن اس کی بجائے ایک نئی فراخ سڑک بنا دی گئی۔ اب کوئی اگر یہ کہے ''ٹھیک ہے یہ بھی ایک راستہ ہوا کرتا تھا تم اس نئے راستہ پر موٹر لے جاؤ میں اس پرانے راستہ پر لے جاتا ہوں''۔ تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ کھڈ میں گر پڑے گا اور مارا جائے گا۔ آخری راستہ زیادہ وسیع، زیادہ اچھا حکومت وقت نے عوام کے استعمال کے لئے بنایا ہے۔ جو اس پر چلے گا وہی اس جگہ تک پہنچے گا۔ جہاں تک یہ راستہ پہنچاتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے مادی دنیا کی۔

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے سب دنیا کی پہلی کتب کو منسوخ کر دیا۔ اب اُن کی پیروی کے نتیجہ میں تم لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر میری رضاء کی راہوں کی تلاش ہو۔ اگر تم میرے قرب کو ڈھونڈنے والے ہو تو صرف قرآن کریم کا ہی بتایا ہوا وہ صراط مستقیم ہے جو میرے تک تمہیں پہنچا سکتا ہے۔ پہلی کتب میں اب یہ طاقت نہیں رہی ہے۔ کیونکہ انسانی ایراد (اعتراض۔ عیب جوئی) نے پرانی شریعتوں کو خطرناک اور مہلک بنا دیا ہے۔

چھٹی صفت قرآن کریم کی ان آیات میں یہ بیان فرمائی لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ کہ یہ قرآن كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ بھی ہے۔ یہ رحمٰن اور رحیم خدا کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ قرآن بھی ہے۔ عربی بھی ہے اس کے باوجود ہر آدمی کی سمجھ سے بالا بھی ہے۔ یعنی اس کا یہ نتیجہ نہیں کہ ہر کس و ناکس اس تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ کتاب صرف ان لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی ہے جو روحانی علوم رکھتے ہوں۔ اس میں ایک مختلف پیرایہ میں لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ:۸۰) کا مضمون بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ روحانی علوم سے مس رکھنے والے ہیں اور روحانیت کی تڑپ رکھنے والے ہیں اور ان کا میلان طبع ایسا ہے کہ وہ روحانی علوم کے حصول کی خواہش اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس نیت سے رکھتے ہیں کہ وہ یہ علوم حاصل کر کے ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کے لئے ہی یہ کتاب مفید ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی عیسائی مثلاً سارا قرآن کریم پڑھ جائے۔ یہی نہیں بلکہ عربی میں اس وقت تک جتنی تفاسیر

قرآن لکھی گئی ہیں وہ بھی پڑھ جائے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری کتب جو حقیقتاً قرآن کریم کی تفسیر ہی ہیں وہ بھی پڑھ جائے یہی نہیں بلکہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''تفسیر کبیر'' کے نام سے بڑی ضخیم تفسیر (قرآن کریم کے بعض پاروں کی جو مکمل ہو چکی ہے) شائع کی ہے وہ بھی سب پڑھ جائے تب بھی وہ قرآن کریم کو نہیں سمجھ سکتا۔

ایک ایسا عجیب نظام اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے کہ وہ قرآن کریم تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی قرآن کریم کے علوم حاصل کر سکتا ہے نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بظاہر یہ ایک فلسفیانہ خیال ہے لیکن یہ بات سمجھانے کے لئے مجھے ابھی ایک بڑی اچھی مثال یاد آ گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ پہلے زمانہ میں سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے بڑے یا چھوٹے جہاز بیسیوں یا سینکڑوں کی تعداد میں جاتے تھے۔ ان کا طریق یہ تھا کہ مچھلیوں کے غول کا جو لاکھوں کی تعداد پر مشتمل ہوتا جہاں ان کو پتہ چلتا تھا تو وہ وہاں میل ہا میل کے چکر میں جال پھینک دیتے تھے۔ اور پھر اس جال کی، پانی کی تہ میں، ایک دیوار بن جاتی تھی اور مچھلی اس سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر وہ دوسرے جال کھینچ کھینچ کے مچھلیاں اُٹھاتے تھے۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا سائنس دانوں نے ایک شعاع ایجاد کی ہے۔ اگر وہ شعاع پانی میں پھینک دی جائے تو مچھلیاں اس شعاع کو عبور نہیں کرتیں حالانکہ وہ کوئی مادی چیز نہیں لیکن ایک دیوار ہے اور دیوار بھی روشنی کی۔ وہ اس روشنی کی دیوار سے پرے نہیں جا سکتیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا قرآن ہے تو نور مجسم! لیکن اس میں بعض ایسی شعاعیں بھی ہیں کہ جو پاک نہ ہو، جس میں روحانیت نہ ہو۔ وہ اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ خود روشنی کی بعض شعاعیں اس کو محروم کر دیتی ہیں حقیقی و روحانی علم حاصل کرنے سے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ:۸۰) غیر مسلم تو اس تخیل کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ لیکن خود ان کے سائنسدانوں نے ایک مثال ایسی دے دی ہے کہ جس طرح مچھلی اس روشنی کے بیم کو عبور نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم نے بھی اپنے گرد شعاعوں کا ایک ہالہ بنا دیا ہے کہ جب تک تم مطہر نہیں ہو گے تم اس ہالہ کے اندر داخل نہیں ہو سکو گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی چھٹی صفت ان مختصر سی آیات میں یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو روحانی علوم رکھتے ہوں۔ جن کی طبیعت کا میلان روحانیت کی طرف نہ ہو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

(۷) ساتویں صفت اس کتاب کی یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بشیر ہے۔ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ اگر تم یہ کرو گے تو تمہیں یہ انعام ملے گا۔ مثلاً فرمایا۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس: ۳) یہ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ بہت بڑی بشارت ہے جو قرآن کریم کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو دی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک مثال ہے۔ حقیقتاً سینکڑوں ہزاروں بشارتیں قرآن کریم کے متبعین کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس معنی میں یہ کتاب بشیر ہے۔ کیونکہ یہ کہتی ہے کہ تم میری پیروی کرو تمہیں نعمتوں پر نعمتیں ملتی جائیں گی۔

(۸) آٹھویں صفت اس کتاب مجید کی نذیر ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اگر تم پیروی نہ کرو گے۔ میرے بتائے ہوئے طریق پر نہ چلو گے۔ جس طرف میں لے جانا چاہتی ہوں۔ اس طرف منہ نہ کرو گے بلکہ اس طرف پیٹھ کرو گے اور مجھ سے پرے ہو جاؤ گے۔ تو تمہارے لئے بہت سی مصیبتیں، ابتلاء، دکھ، درد اور خدا کا غضب اور لعنت مقدر ہے۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی ایک صفت نذیر بیان کی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (مریم: ۴۰) ان کو اچھی طرح متنبہ کر دو کہ اگر تم میری بتائی ہوئی تعلیم اور ہدایت پر عمل نہیں کرو گے تو تمہیں حسرت کا دن دیکھنا نصیب ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان کو اس دن سے ڈرا جس دن افسوس اور مایوسی چھائی ہوئی ہوگی اور سب معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اب تو یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔

اسی طرح اس دنیا کے عذابوں کے متعلق، اللہ تعالیٰ کے قہری نشانوں کے متعلق یہ کتاب انذار سے بھری پڑی ہے اس لئے ان آیات میں قرآن کریم کا نام بطور صفت نذیر رکھا گیا ہے۔

(۹) نویں صفت جو ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ ہے۔ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ ان میں سے اکثر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس حسین تعلیم سے اعراض کرتے ہیں بظاہر ان الفاظ میں ہمیں کسی صفت کا اظہار معلوم نہیں ہوتا لیکن درحقیقت ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ انتہائی حسین تعلیم ہے، جو اسے دیکھتا ہے مسحور ہو جاتا ہے۔ یہ تعلیم دل کو موہ لیتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی طرف کوئی حقیقتاً منہ

کرے، متوجہ ہو، اپنی بصارت اور بصیرت کو استعمال کرے اور پھر اس کے دل پر قرآن کے حسن کا اثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا جیسا کہ دوسری جگہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ان کے پاس آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان کو استعمال نہیں کرتے۔ اگر وہ آنکھوں کا صحیح استعمال کرتے تو اس کتاب کی خوبصورتی سے ضرور مسحور ہوتے۔ یہ کتاب ان کے دلوں کو موہ لیتی اور یہ اس کے عاشق بن جاتے۔ لیکن اَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ عجیب بدقسمت ہیں اکثر انسان کہ جب ایسی حسین تعلیم ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اپنی آنکھوں کو دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ پہلوتہی کرتے ہوئے دوسری طرف مائل ہو جاتے ہیں، ان چیزوں کی طرف جو اتنی حسین نہیں بلکہ نہایت ہی بدصورت ہیں۔ تو فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ میں جہاں اعراض کرنے والوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے وہاں قرآن کریم کے حسن کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اتنی حسین تعلیم ہے کہ اگر آنکھیں رکھنے والے اپنی آنکھوں اور بصیرت سے کام لیں تو کبھی بھی وہ اس کے عاشق ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

(۱۰) دسویں صفت قرآن کریم کی یہ بیان کی گئی ہے۔ فَھُمْ لَایَسْمَعُوْنَ۔ کہ وہ اسے سنتے نہیں اس میں قرآن کریم کے متعلق دراصل اس حقیقت اور اس صداقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ جو بھی اسے سنتا ہے وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تو اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ اگر وہ ان کانوں سے صحیح کام لیتے جو ہم نے انکو عطا کئے تھے اور قرآن کریم کی خوبصورت تعلیم جن خوبصورت الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ متوجہ ہوتے تو یقیناً یہ تعلیم ان پر اثر کئے بغیر نہ رہتی۔ اس کی واضح مثال ہماری تاریخ کے ابتداء میں حضرت عمرؓ کی پہلے اسلام کی مخالفت اور بعد میں ایمان لانے کا واقعہ ہے۔ وہ پہلے قرآن کریم سننے کے لئے تو تیار نہ تھے لیکن نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے لئے تیار تھے (تفصیل میں جائے بغیر) وہ ایک دن قرآن کریم سننے پر مجبور ہو گئے اور جب ان کے کان میں قرآن کریم کی شیریں اور میٹھی آواز پہنچی تو بے ساختہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی فرماتا ہے کہ جو سن لے وہ عاشق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

پس یہاں دسویں صفت کے طور پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نہایت حسین الفاظ میں نہایت خوبصورت تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اگر دنیا اس تعلیم کو سننے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ اس کو ماننے پر بھی مجبور ہو جائے۔ یہی حال اس وقت ان لوگوں کا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر کان نہیں دھرتے جو لوگ بھی جب بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر قرآن سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اثر لئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔

لیکن اکثر وہی ہیں جو سننے کو تیار نہیں ہیں جب ان کو سنایا جائے تو وہ گالیاں دیتے ہیں یا بے توجہی، بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیوی دھندوں میں اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس یہ خیالات سننے کے لئے وقت ہی نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کی ایک ایسی آواز بھی آتی ہے کہ جو صاعقہ کے رنگ میں آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور انسان سننا چاہے یا نہ سننا چاہئے اس کے کان اس آواز سے پھاڑ دیئے جاتے ہیں اور ان کے جسموں کو مردہ کر دیا جاتا ہے اور ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے، خدا کرے کہ ساری دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کو سننے لگے اور قرآن کریم کے معارف اور حقائق کا عرفان حاصل کرے۔

اور خدا کرے کہ ہم جو اس کی طرف منسوب ہونے والے ہیں اور احمدی کہلاتے ہیں۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے قرآن کریم کے علوم زیادہ سے زیادہ عطا کرتا چلا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی توفیق دیتا چلا جائے کہ ہم قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنے والے ہوں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۱؍اگست ۱۹۶۶ء)

☆.....☆.....☆